پروفیسر شیخ عبد الرشید☆

☆ایسوسی ایٹ ایڈیٹر ماہنامہ 'گجرات ٹائمز' گجرات۔

اچھے استاد کے نمایاں اوصاف

لگ بھگ ڈیڑھ ہزار سال قبل افلاطون نے کہا تھا کہ بہترین معاشرہ تشکیل دینے کے لیے بہترین نظام تعلیم ضروری ہے، لیکن دوسری طرف کسی بھی معاشرے کا تعلیمی نظام اس معاشرے کے مجموعی ثقافتی معیار سے مشروط ہے، چنانچہ مختلف معاشروں کے ثقافتی معیار کے مطالعے کے بعد ممتاز مورخ ایچ۔ جی ویلز یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ''انسانی تاریخ، تعلیم اور تباہی کے مابین روز بروز ایک دوڑ بنتی جا رہی ہے۔''

کسی بھی نظام تعلیم میں خود تعلیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور نصاب تعلیم اس نظام کے مقاصد کی تکمیل کا تحریری ذریعہ ہوتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ متعلم کی شخصیت پر سب سے قوی اور فوری اثر نہ نظام تعلیم کا مرتب ہوتا ہے اور نہ اس نصاب کا۔ اس جادو کا سرچشمہ استاد کی ذات ہے۔ کوئی بھی انسان بالخصوص نوخیز انسان جس قدر گہرا اثر خود انسان سے قبول کرتا ہے، ایسا اثر وہ کسی اور ذریعے سے قبول نہیں کرتا اور انسانوں میں متاثر کرنے کا کام شعوری طور پر استاد ہی انجام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندہ اور متحرک معاشرے استاد کو ایک ممتاز اور محترم فرد تصور کرتے ہیں۔ مسلم معاشرے میں استاد نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قدیم یونان اور چین میں تو استاد کی گویا پوجا ہوتی تھی۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد سے استاد مغربی معاشروں میں بھی بڑی قدر و منزلت کا حامل ہو گیا۔ جرمنی میں بھی استاد کی بے حد تکریم ہے۔ استاد ہر کہیں واجب الاحترام ہے۔ اس کے کام اور مرتبے کا ہر کوئی معترف ہے، مگر اس کے رتبے کی پہچان اگر کہیں کم ہے تو وہ ہمارا ملک ہے۔

استاد کی تحقیر سامراجی حکمت عملی کا اہم جزو تھی، مگر قیام پاکستان کے بعد بھی ہماری سیاسی قیادت و دانش کو نہ فرصت ملی اور نہ توفیق نصیب ہوئی کہ معماران قوم کو بھی کوئی مقام دیا جائے۔ چنانچہ استاد کو بے مقام کر کے ہم خود بحیثیت قوم بے وقار ہو کر رہ گئے ہیں۔ قوم اور حکمرانوں کا رویہ اپنی جگہ، مگر استاد کی بدحالی اور تذلیل کی اصل وجہ خود ہمارا استاد ثابت ہوا۔ اس نے اپنے خلاف ہونے والی تقریباً دو سو سالہ سازش کو اس کے صحیح تناظر میں نہیں دیکھا۔ اگر دیکھا تو اسے سنجیدگی کا مستحق خیال نہیں کیا جو اس کے لیے ''ازالہ حیثیت عرفی'' کا سبب بن سکتی۔ حالات نے استاد کو اس کے مقام سے ناآشنا کرنا چاہا تو وہ

خود اپنے مقام سے بیگانہ ہو گیا اور اب تو ایسا لگتا ہے کہ اسے خود آشنائی کے لیے بھی کافی وقت درکار ہوگا۔

استاد کے معاشرتی مرتبے کی بحالی کے لیے تعلیم وتدریس کے میدان میں اچھے اور برے یا کامیاب اور ناکام استاد کا ایک واضح تصور اجاگر کرنا ناگزیر ہے۔ اچھے استاد کے لیے ترقی کرنے اور اپنی پوری قامت کو پہنچنے کے معیار اور ضوابط مقرر کیے جائیں۔ ایک طرف تو تعلیمی پالیسی سازوں کو اساتذہ کی شرائط ملازمت، ان کی سہولتوں اور مراعات، ترقی اور اعزاز کے معاملات کے حوالے سے موثر اور مثبت اقدامات اٹھانے ہیں تو دوسری طرف استاد کو بھی خود آگاہ اور مقام آشنا ہونا ہوگا۔ لازم ہے کہ استاد خود بھی محاسبہ کریں کہ کیا وہ خود اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

ہم یہاں مختصراً اچھے استاد کی چند خصوصیات کا تذکرہ کریں گے جنہیں دیکھ کر استاد خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا وہ استاد ہے یا نظام تعلیم کا ایک بیکار پرزہ؟ اس حوالے سے ہمارے پاس ایک کامل راہنمائی معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے جو سب کے سب معلم تھے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۱ کی روشنی میں دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ معلم کا سب سے بڑا منصب تدریس ہے، کیونکہ اس نے لوگوں کو کتاب کی علمی وضاحتیں دینی ہوتی ہیں، حکمت سکھانا ہوتی ہے۔ حکمت دراصل اسی کتاب کو لوگوں پر apply کرنے کا نام ہے۔ یہ کتاب کی عملی شکل ہے۔ پھر تزکیہ نفس کرنا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے معلم اخلاق بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ تعمیر کردار کے لیے معلم سمعی اور بصری دونوں صورتوں کو استعمال میں لاتا ہے۔ اچھی تدریس کی اولین شرط یہ ہے کہ استاد مطمئن ہو اور اس کی عزت نفس محفوظ ہو۔ تعلیم محض نصابی کتابیں پڑھانے اور طالب علموں کے ذہنوں میں بعض معلومات جاگزیں کرنے ہی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک تخلیقی عمل ہے جس میں استاد کی شخصیت، اس کا وقار، اس کی علمیت اور اس کا اپنے پیشے کے ساتھ آزادانہ شغف مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ استاد کو جب اور جہاں یہ احساس ہوا کہ وہ ایک حقیر ملازم ہے یا ایسے لوگ جو علم وذوق میں اس کے برابر نہیں، اس پر حکمران ہیں، اس کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ عمل تدریس عزت نفس اور ایک خاص احساس ووقار یا احساس تفاخر کے بغیر ممکن نہیں۔

درس وتدریس کے لیے سب سے اول چیز کتاب ہے۔ جو علم بھی آپ متعلم تک پہنچانا چاہتے ہیں، اس کتاب یا نصاب سے استاد کی گہری وابستگی اور اس سے پوری واقفیت لازم ہے۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺ اپنی کتاب کو عملی صورت تھے۔ تعلیم وتدریس کا سارا عمل کتاب کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ جس قوم کے استاد اچھی اور عمدہ کتاب پیدا کرنے سے قاصر ہوں، وہ تعلیم وتدریس کے میدان میں پس ماندہ اور غیروں کی دست نگر ہو کر رہ جاتی ہے۔ استاد اصل میں صاحب کتاب ہوتا ہے، کیونکہ کتاب زندگی کے حقائق کو جاننے اور اس جانکاری کو دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے تاکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ کتاب علم کی حفاظت، ترسیل اور توسیع کا نام ہے۔ کتاب ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے سے پہلی نسلوں کی محنت وکاوش، دانش وبنیش اور حکمت وبصیرت نئی نسلوں تک منتقل ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ عمل رک جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں درحقیقت زندگی کا عمل رک جاتا ہے۔ اچھی کتاب نہ لکھ سکنا محض کوتاہی نہیں بلکہ ایک اجتماعی جرم ہے۔ خود علمی کتابیں نہ لکھ پانا دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہے۔ استاد کسی قوم کی نظریاتی سرحدوں کا محافظ ہوتا ہے مگر افسوس کہ آج کے

استاد کو ٹیوشن کے سرطان نے اس قدر نا کارہ بنا دیا ہے کہ تحقیق وتحریر سے اس کا تعلق شرمناک حد تک کمزور ہو چکا ہے۔

اچھے استاد کی دوسری اہم صفت غور وفکر ہے، کیونکہ سوچ اور غور کیے بغیر اور فکر کی نئی راہیں تراشے بغیر تدریس مہمل ہو جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل بھی غار حرا میں تشریف لے جاتے اور غور وفکر کرتے تھے۔ یہ کسی بھی معلم کے لیے لازمی ہے۔ غور وفکر کے بغیر کسی نے زمانے کو کچھ نہیں دیا۔ عقل صرف تدبر وتفکر سے بڑھتی ہے۔ اس کے بغیر کوئی استاد اچھا استاد نہیں بن سکتا۔ معلم انسانیت کی زندگی کا یہ معمول تھا۔ اسی غور وفکر سے آپ ﷺ نے لوگوں سے ان دیکھے خدا کو تسلیم کروا کے زمانے کی تقدیر بدل دی۔ ہر اچھے استاد کے لیے اس سنت رسول کی اتباع ضروری ہے۔ بڑا استاد مسلسل تفکر، تحقیق اور اشاعت میں مصروف عمل رہتا ہے مگر آج ہمارا استاد ٹیوشن کے جبر میں کولھو کے بیل کی طرح جت گیا ہے۔ اب اس کے پاس غور وفکر اور مطالعہ کتاب کے لیے وقت ہی نہیں۔

فکر وتدبر کے ساتھ کام کی لگن کے بغیر بھی اچھے استاد کا مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اکرم ﷺ کے ذمے جب پروردگار عالم نے کام لگایا تو پھر آپ نے پوری لگن سے کام کیا۔ شب وروز کی پروا نہیں کی۔ معاشی مجبوریوں، ذاتی خواہشات، بھوک اور دھوپ کو نہیں دیکھا۔ مسائل ووسائل کی شکایت نہ کی، یہاں تک کہ سفر طائف کے موقع پر حضرت زید بن حارثہؓ کو ہمراہ پیدل گئے، نہ کہ مشن کی تکمیل کے لیے وسائل کے حصول تک کام روک دیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ علم ہوا ہو کہ فلاں شخص اللہ کی بات سننا چاہتا ہے اور آپ ﷺ نے اسے کل پر ٹال دیا ہو۔ چنانچہ اچھے استاد کے لیے ضروری ہے کہ اس میں لگن یعنی Devotion ہو۔

لگن کے بغیر استقامت بے ثمر رہتی ہے۔ چنانچہ استاد کے لیے استقامت واستحکام کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہیں کہ آج رویہ کچھ اور ہے اور کل کچھ اور ہے۔ آج آپ کے علم کے بڑے متلاشی اور ہر لمحہ مصروف عمل ہیں، مگر پھر سال سال بھر کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ معلم ہونا پیغمبروں کا منصب ہے۔ رب العزت نے سب سے زیادہ عزت، احترام اور توقیر اہل علم کو دی ہے۔ اسوہ حسنہ پر نظر ڈالیں تو عیاں ہوگا کہ حالات نے آپ ﷺ کو مشن سے روکنے کے لیے کتنا جبر کیا، دباؤ ڈالا، پریشان کیا مگر آپ کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہیں آئی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر تم میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج لا کر رکھ دو تو بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آؤں گا''۔ یہ استحکام واستقامت کا عمل ہے۔

اچھا استاد ہونے کے لیے ایک خوبی یہ ہے کہ آپ کو time managment آتی ہو۔ دنیا میں اسوہ حسنہ کے علاوہ کہیں یہ مثال نہیں ملتی کہ اتنے کم وقت میں کسی نے اتنی بڑی تبدیلی لائی ہو۔ آپ ﷺ نے time کو manage کیا، انرجی کو manage کیا، human resources کو manage کیا۔ چنانچہ اچھا استاد بننے کے خواہش مندوں کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ وقت کے استعمال کی صلاحیت پیدا کریں۔ وقت کو ضائع کیے بغیر ہی کم وقت میں بڑی تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر آپ time managment نہیں جانتے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات مبارکہ سے آپ کچھ نہیں سیکھا۔ جی ہاں، ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھائے بغیر آپ علم نہیں بانٹ سکتے، اچھے استاد نہیں بن سکتے کیونکہ اس طرح آپ کی ترجیحات ضائع ہو جاتی ہیں۔

اچھے استاد کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ متعلم کی صلاحیتوں کا ادراک حاصل کرنے کے بعد اس کے ٹیلنٹ کو مثبت انداز میں اجاگر کرے۔ استاد اپنے طالب علم کی ضرورتوں کا تعین کرے اور پھر جہاں ہے، وہاں سے مطلوبہ تعلیمی حاصل تک پہنچنے میں اس کی مدد کرے۔ استاد متعلمین کے تنوع کو ملحوظ رکھ کر، ان کے اکتساب کو تقویت دے کر، تعلیمی حاصلات کو مخصوص اطلاقات میں ڈھال کر اور تاحیات قابل استعمال تعلیمی مہارتوں کو ترتیب دے کر یہ مقصد حاصل کرتا ہے۔ اچھا استاد مثبت زاویے کا حامل ہوتا ہے۔ سادہ الفاظ میں اچھا استاد اچھا مردم شناس ہوتا ہے۔ وہ شخصیت کی نشو ونما میں رکاوٹیں پیدا نہیں کرتا۔ وہ منفی فکر کا حامل نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مردم شناسی کی اسی صفت سے آپ نے دنیا کا سب سے بڑا معاشرتی انقلاب برپا کیا۔ وحشی وجنگلی معاشرے کو سنجیدہ، بردبار اور با اخلاق بنا دیا۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوا کہ آپ نے کسی پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کے جوہر خاص کو پروان چڑھایا۔ ہر فرد کے پوشیدہ ٹیلنٹ کو تبدیلی کے لیے استعمال کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ دس سال آپ ﷺ کے خادم رہے۔ انہوں نے بھی برملا کہا ”دس سال میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی کام پر مجھے ڈانٹا ہو۔“ ہر اچھے معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ منفی اپروچ کو ترک کر کے یہ دیکھے کہ متعلمین میں سے کس میں کیا خوبی ہے اور اس کو ابھارے۔ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کی مثبت قوتیں ابھار کر ہی ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل کی۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں دیکھیں کہ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ کی حیات مبارکہ غزوات کی نذر رہی، مگر تلواروں کے سائے تلے حضرت حسان بن ثابتؓ جیسے صحابیؓ بھی موجود ہیں جنہوں نے کبھی تلوار کو ہاتھ نہیں لگایا، مگر رحمت للعالمین کی زبان مبارک سے کبھی نہ نکلا کہ حسانؓ تم تلوار نہیں اٹھاتے۔ بلکہ معلم انسانیت نے یہ دیکھا کہ حضرت حسانؓ میں شاعری کا جوہر موجود ہے تو اسے لوگوں میں جوش وجذبہ پیدا کرنے، امید دلانے اور قوت ارادی بڑھانے کے لیے استعمال کیا۔ اچھے استاد کے لیے سیرت پاک سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ وہ مثبت انداز میں اپنے شاگردوں کے جوہر تلاش کر کے انہیں جلا بخشے۔ استاد کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ نصاب کو متعلم کی حقیقی زندگی سے جوڑ کر اور معاشرتی معاملات کی آگاہی پیدا کر کے نصاب کے ساتھ بچوں کا انفرادی تعلق قائم کرے۔

ایک اچھے استاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حقائق کی باز آفرینی پر توجہ دینے کے بجائے مسئلہ حل کرنے کی مہارتیں پیدا کرنے پر زور دے۔ استاد کو جستجو کے عمل سے متعلق مہارتوں اور تعین قدر کے عمل سے متعلق مہارتوں کے ذریعے سے متعلم کی سرگرم شرکت کو فروغ دینا چاہیے۔

ایک اچھے استاد کی ایک اور نمایاں صفت جس کا ادراک ہمیں سیرت طیبہ ﷺ کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے، یہ ہے کہ معلم کو تکبر وامتیاز کا حامل نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے کبھی امتیازی رویے کو نہیں اپنایا، نہ بیٹھنے کے لیے جگہ مخصوص کی، نہ لباس مخصوص، نہ خوراک مخصوص، نہ الگ تھلگ بیٹھنے کا طریقہ۔ ظاہر ہے جب تک استاد طلبہ سے گھلے ملے گا نہیں، اس کی ذہنی مطابقت نہیں ہوگی، ذہنی لگاؤ نہیں ہوگا تو مطلوبہ سطح پر مکالمہ بھی نہیں ہو سکے گا۔ بغیر گھلے ملے استاد صحیح معنوں میں علم مہیا نہیں کر سکتا۔ استاد کا متعلمین سے mixup ہونا ضروری ہے۔ امتیاز علم دشمن رویہ ہے۔

اچھا اور بڑا استاد خود اعتماد ہوتا ہے۔ خود اعتمادی کو کامیابیوں کی کنجی سمجھا جاتا ہے۔ ایک استاد اسی صورت میں کامیاب قوم کی تعمیر کر سکتا ہے جب وہ اس میں خود اعتمادی بانٹ سکے، لیکن کچھ بانٹنے سے پہلے اس کا استاد کے پاس ہونا بھی

ضروری ہے۔ پر اعتماد استاد کی زندگی ابہام سے پاک ہوتی ہے۔ آپ نے جو سیکھا ہے، اگر اس سے متعلق خود کنفیوژڈ ہیں تو پھر آپ اسے دوسروں کو بھی نہیں سکھا سکتے۔

خود اعتماد استاد ہی طلبہ میں سوال کرنے کی جرات پیدا کر سکتا ہے۔ سوال و جواب کی صلاحیتوں کو پیدا کیے بغیر کوئی قوم وقت کے تقاضوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سوال علم کی ماں ہے مگر صد افسوس کہ آج سوال ہی ہم سے چھین لیا گیا ہے۔ اس سے علم کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ سوال و جواب اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا وصف تدریس تھا۔ نبی کریم ﷺ وعظ فرما رہے ہوتے، جمعہ کا خطبہ دے رہے ہوتے تو لوگ کھڑے ہو کر سوال پوچھتے اور آپ جواب دیتے۔ آج سیکھنے سکھانے کے عمل میں ہم دوسروں کے دست نگر ہیں کیونکہ ہم سے سوال چھین لیا گیا ہے۔ نالائق استاد سوال کو گستاخی سمجھتا ہے حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ مبارک تھا۔ سوال کا مطلب ہے کہ اس میں متعلم کی طلب، توجہ اور مکمل حاضری شامل ہے۔

اچھا استاد اپنے شاگردوں کا ''محبوب'' ہوتا ہے۔ استاد کا انداز حیات اور اس کی گفتار و کردار طالب علم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ استاد کی عادات، اظہار، اعتدال، عالی ظرفی، وقار و متانت اور علم و تحقیق ہی اسے محبوب بنا سکتے ہیں۔ اگر استاد کی شخصیت میں محبوبیت کا فقدان ہو تو وہ اچھا استاد نہیں بن سکتا۔ محبوب راہنما و استاد ہی تعلیم و تطہیر کا فریضہ بحسن وخوبی ادا کر سکتا ہے، چنانچہ استاد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے posture کو، اپنے مزاج کو، اپنے ڈھنگ کو بھی متوازن رکھے۔

اچھا استاد وعدے کا پکا اور پاسدار ہوتا ہے۔ یہی چیز اسے لوگوں میں محترم بناتی ہے۔ وہ امین وصادق ہو کر ہی انقلاب کا داعی ہو سکتا ہے۔ اگر استاد معاشرے میں معزز نہ ہوگا تو اس کا بانٹا ہوا علم تاثیر کا حامل نہ ہوگا۔ ایک اچھا استاد غیبت کرنے والا، جھوٹ بولنے والا، دروغ گو، کھوکھلے دعوے کرنے والا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنے کردار کا محاسبہ کیے بغیر اچھا معلم نہیں بنا جا سکتا۔ بدکردار استاد معاشرے میں صلاح وفلاح پھیلانے کے بجائے فساد اور مایوسی پھیلانے والا بن جائے گا۔ اچھا استاد ہمیشہ آسانیاں پیدا کرنے والا اور علم کو خوشخبری کے انداز میں دینے والا ہوتا ہے۔ جب تک آپ طلبہ کی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھیں گے، آپ بڑے معلم نہیں بن سکتے۔ استاد کو تبدیلی کا مقابلہ کرنے اور اس پر دسترس حاصل کرنے میں شاگردوں کی مدد کے قابل ہونا چاہیے۔ بلوغت اور بے روزگاری کے خلاف طلبہ کی تگ و دو اساتذہ سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ انہیں کمانے، زندہ رہنے اور سماجی تحفظ کے مٹتے ہوئے گوشوں، نسلی و مذہبی تشدد، معلوماتی انقلاب یا سرمایہ دارانہ معاشروں میں موجود طمع سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کرے۔

اچھا استاد ہمیشہ اچھا طالب علم رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ نئے علم اور نئی روشنی کو اپنانے والا ہوتا ہے۔ خندق کھودنا اہل فارس کا طریقہ تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے اسے اختیار کیا۔ ایک شخص آیا اور اس نے آپ ﷺ کو پاجامہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے پسند کیا حالانکہ عرب پاجامہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ آپ نے یمن کی طرف بعض صحابہ کرامؓ کو بھیجا کہ جاؤ اور قلعوں پر چڑھنے کی ترکیب سیکھ کر آؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے علاوہ دیگر علوم کو حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

بڑے استاد کی ایک اور مثالی صفت قوت برداشت ہے۔ وہ ردعمل ظاہر نہیں کرتا۔ استاد جتنا reactionary ہوگا، وہ علم میں اتنا ہی چھوٹا ہوگا۔ استاد اقدار کے تصادم سے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ اساتذہ کو یہ علم ہونا چاہیے کہ غفلت کرنے والے

بچوں کے ساتھ کس طرح کام کرنا ہے۔ غور کریں کہ لوگ مشرک ہیں، بتوں کو پوجتے ہیں، چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ فوری react کرتا اور نافرمانوں کی گردنیں توڑ دیتا، مگر اللہ عالی ظرف ہے اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی react نہیں کیا اور کسی سے ذاتی بدلہ نہیں لیا۔ شاگرد گستاخ ہو سکتا ہے، مگر بڑا استاذ عالی ظرف ہوتا ہے۔ معاف اور درگزر کرنا ہی اس کے بڑے پن کا ثبوت ہے۔

مذکورہ بالا صفات وخصوصیات کے حامل اچھے استاد پیدا کیے بغیر کوئی بھی نظام تعلیم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ایک طرف اساتذہ کی تربیت، ان کی مراعات اور باعزت مقام حکومت اور عوام کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف خود استاد پر بھی بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ آج مادی طمع وحرص کے شکار معاشرے میں استاد خود زمانے کی رو کا شکار ہو کر معمار قوم کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ سرمایہ دارانہ نظام اور زوال پزیر معاشرے میں استاد کو پہلے خود آشنا ہو کر اپنی اصلاح کرنی ہے، اس کے بعد ہی وہ تعمیر کردار وسیرت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ استاد خود کو پیغمبروں کی میراث معلّمی کے وارث کہتے ہیں، لہٰذا انہیں معلم انسانیت وفخر انسانیت کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کر کے اپنی کردار سازی کرنی ہے۔ پیغمبروں کا وارث ہونے کا دعوے دار استاد ہی اگر سیرت طیبہ کا پیروکار نہ ہو تو اس سے زیادہ نالائق اور کون ہو سکتا ہے۔